

باسمہ تعالیٰ

# اسلام کے مقابل اسلام!

(پرویز)

غالب نے اپنے متعلق کہا تھا کہ — قدر شعر من بقیۃ! بعد من خواہد شدن — دنیا میں میرے شعر کی ہر میرے بعد ہوگی — اقبال نے بھی اسی احساس کا اظہار کیا تھا جب کہا تھا کہ — من ندائے شاعر فراختم — نہیں آنے والے شاعر کی آواز ہوں۔ میرا زمانہ میرے بعد آئے گا۔ میں اپنے آپ کو ان ارباب فکر و بصیرت کے (میرے) میں شمار کرنے کی جرأت تو نہیں کر سکتا، لیکن اس حقیقت کے اظہار کے بارے میں نہیں رہ سکتا کہ جو کچھ میں اسلام کے متعلق کہہ رہا ہوں وہ آنے والے مؤرخ کے لئے یادداشت کا کام دے گا۔ وہ دیکھے گا کہ جب یہاں اسلام پر یہ کچھ بیت رہی تھی تو ایک گوشے سے قرآن کی آواز بھی بلند ہو رہی تھی، قرآن کریم نے اپنے اولین مخاطبین (کفار) کے متعلق کہا تھا کہ وہ اپنے گرد کے لوگوں سے کہتے تھے کہ لَا تَنصَحُونَا بِهَذَا الْقُرْآنِ۔ اس قرآن کی آواز اپنے کان میں نہ پڑنے دو۔ وَالْعَذَابُ فَرِيقٍ۔ اور اس قدر شور مچاؤ کہ دوسرے بھی اسے نہ سنے۔ میں۔ نَعَلَّكَ اللَّهُ لَعَلَّكَ تَعْلَمُ۔ (پاؤں)۔ بس یہی ایک طریق جس سے تم قرآن کی طرف دعوت دینے والوں پر قابو رکھو گے۔ اگر لوگوں نے اس کی آواز سن لی تو پھر وہ تمہارے قابو نہیں آسکیں گے۔ یہی فلسفہ ہمارے زمانے کا ہے۔ مجھ نے اختیار کر رکھی ہے جو نہیں چاہتے کہ قرآن کی آواز بلند ہونے پائے۔ قرآن اول کے معاندین کے مقابلہ میں ان کے پاس پراپیگنڈہ کے بڑے وسیع اور شدید الاثر ذرائع ہیں۔ عوام ویسے ہی جذباتی ہوتے ہیں، اس پراپیگنڈہ نے ان کے جذبات کو اس قدر دو آتشہ بنا دیا ہے کہ وہ ذرا سا سی بات پر آتش گیر مادہ بن جاتے ہیں۔ جہاں تک سارے دانشور طبقہ کا تعلق ہے، جو کچھ اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، اس سے وہ مذہب کے نام سے متفسر یا کم از کم (DISINTERESTED) ہو چکے ہیں۔ میرے زمانہ سلازمت کی بات ہے، دفتر میں ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ تھا اور اس کے سیکشن میں ایک "امدی" کلرک "احمدیوں" کا تو یہ معمول ہوتا ہے کہ وہ ہر ایک تک اپنا منہ پھر پھیناتے ہیں۔ ایک دن اس کلرک نے اپنا کچھ منہ پھر اس سپرنٹنڈنٹ کو دیا۔ اس نے پوچھا کہ یہ منہ پھر کس موضوع سے متعلق ہے؟ اس نے کہا کہ یہ مذہب سے متعلق ہے۔ اس نے وہ کاغذات اس کی طرف لوٹا دیئے اور کہا کہ انہیں گھر یا کے پادری کے پاس لے جاؤ، اسے اس کام کی تنخواہ ملتی ہے مجھے نہیں۔ ہمارے دانشور طبقہ کی حالت کچھ ایسی ہی ہر جگہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب ایک ایسا (SUBJECT) ہے جس کا تعلق مولوی صاحبان سے ہے۔ ان سے اس کا کچھ واسطہ نہیں

دفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس، جسٹس آفتاب حسین نے اس بارے میں گلہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے ایکسا پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ملک کے عوام اور دانشوروں سے اپیل کی کہ وہ ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھانکنے کے لئے دفاقی شرعی عدالت سے تعاون کریں۔ انہوں نے کہا کہ

انہوں نے بارہا اخبارات میں اشتہارات بھی شائع کروائے ہیں ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھانکنے کے سلسلے میں دھکا اور علماء حضرات نے کسی سرکاری کامظاہرہ نہیں دکھایا۔ انہوں نے کہا کہ علماء زبانی کا می تو اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے بہت کچھ کہتے ہیں لیکن عملاً انہوں نے تعاون کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ دفاقی شرعی عدالت کی دعوت پر چند علماء نے کچھ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھانکنے کے سلسلے میں اپنی آراء پیش کی تھیں لیکن انہوں نے اپنی اس رائے میں صرف نقد کو تحریر کر دیا تھا اور اکثر جگہوں پر قرآن اور حدیث کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اس لئے ان کی آراء ہماری مناسب مدد نہیں کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ دھکا بغیر ٹیس کے کوئی مشورہ نہیں دیتے، اس لئے دھکا نے دفاقی شرعی عدالت سے بھی قابل ذکر تعاون نہیں کیا۔

(روزنامہ جنگ، لاہور۔ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۸۲ء)

یہ اُسی طبقہ کا حال ہے جس کا براہ راست تعلق مذہب اور قوانین سے ہے۔ اس سے مذہب کے ساتھ دل چسپی کے متعلق دیگر طبقوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انہی حالات آپ سوچئے کہ قرآن کی برآواز میں بلند کر رہا ہوں اس پر کون کان دے گا؟ عوام سے کہہ دیا گیا ہے کہ یہ کفر ہے۔ الحاد ہے۔ بے دینی ہے۔ اس کے قریب تک نہ جانا۔ خواہ اس نفس مذہب ہی سے لا تعلق ہو کچھ ہی بائیں ہند میں اس آواز کو بلند کئے جا رہا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ میں نے اسے اپنی زندگی کا فریضہ قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اس قلم اور قلم کے باوجود ایسے سعادت مند حضرات موجود ہیں جو اس آواز میں دل چسپی رکھتے ہیں۔ اور تیسرے اس لئے کہ میری یہ آواز بیکار آدمیوں سے تاکہ آنے والا نورخ اس سے استفادہ کر سکے۔ (دینی) یہاں تک قرآن کے ساتھ اس دور کا عمومی تعلق ہے۔ اس کی حالت ایسی ہو چکی ہے جس کا اقبال نے اللہ حقیقت افروز لیکن نہایت حسرت انگیز الفاظ میں اظہار کیا تھا کہ — غلامِ تیرا رشتہ و تفسیرم آرزو مست — میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ تو بھول گیا ہے لیکن میں یہ آرزو دل میں لئے بیٹھا ہوں کہ اس کی تعبیر میرے سامنے آجائے۔

اقبال نے ایک خواب دیکھا تھا۔ یہ خواب کہ ائمہ تہذیب نے جو دین و نظامِ حیات (حضور نبی اکرمؐ کی وساطت سے نوح انسان کو عطا فرمایا تھا اور جسے آپؐ نے عملاً نافذ کر کے دکھا دیا تھا) اسے پھر سے زندہ و حقیقت بنا کر دنیا کو بتا دینا چاہئے کہ یہ ہے وہ فرد جس پر میں جسے بنی آدم نے قسم کھو دیا تھا۔ اس نے کہا کہ جو اسلام، مسلمانوں کے مختلف ممالک میں رائج چلا آ رہا ہے، وہ دین نہیں جو صدیق اول میں قائم ہوا تھا۔ یہ وہ مذہب ہے جو صدیق اول کے بعد ہمارے دور ملکیت میں وضع ہوا تھا۔ حقیقی دین کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسا خطہ زمین ہو جس میں پہلے سے کوئی نظامِ حیات ثبت نہ ہو۔ اس میں قرآن کی بنیادوں پر اسلامی نظام قائم کیا جائے، اسکے لئے انہوں نے مشرق میں اس خطہ زمین کے حصول کو قوم کے سامنے بطور نصب العین رکھا۔ انہوں نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ آں اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملکیت کی وجہ سے اس پر اب تک قائم ہیں، اس مجہود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے حاوی ہے۔ اس سے

صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

(خطبہ صدارت - الزامدار)

اس سے بھی پہلے انہوں نے اپنے ”خطبات التکلیلِ حدیث“ میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں کہا تھا :-  
اندرونی حالات ہمارے لئے کشادہ کار کی ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی رنگ کی جو سخت اور دُورِ پشت تہیں خیم گئی ہیں اور جن کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھڑچ کھڑچ کر الگ کر دیا جائے، اور حریت، سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقتدار کو از سر نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔  
(چٹا خطبہ)

وہ جانتے تھے کہ اس اسلام کی سب سے زیادہ مخالفت مذہبی پیشوائیت کی طرف سے ہوگی۔ کیونکہ مذہب ان کے لئے ذریعہ معاش بن چکا ہے، اور جب حکومت کے ساتھ ان کی ساز باز ہو جائے تو یہ ذریعہ معاش ہی نہیں رہتا، دواصولی اقتدار بھی بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس حقیقی اسلام میں اس اشیئِ شریک کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ آپ کلامِ انبیا کو شروع سے (خیر تک) دیکھ جائیے۔ اس میں آپ کو ملے گی مخالفت، تشدد و مدے گی۔ وہ ان کے وجود کو مسلمانوں کی تباہی کا اولین سبب قرار دیتے ہیں۔ وہ مسلمان سے واضح طور پر کہتے ہیں کہ نہ

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری

اے کشتہ سطلانی و مُتلائی و پیری

اپنے کلام کے علاوہ وہ دیگر مقامات پر بھی اسی خطہ کو دھراتے رہے۔ انہوں نے آئی انڈیا مسلم کانفرنس (منعقدہ مارچ ۱۹۷۳ء) میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران فرمایا :-

ہمارے دین کی یہ بلند فطری مٹاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں پکڑی ہوئی  
**مُلا ریت کے خلافت** ہے، اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے یہ جذبات اور حالات کے ایک قید خانے

میں محبوس ہیں۔ جسے صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر رکھا ہے۔ ہم بڑھوں کے لئے شرم کا تھا  
ہے کہ نوجوانوں کو ان آفتخادی سیاسی بلکہ مذہبی بھرائوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہِ حاضر میں آنے  
والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ چھ نئی آرزوؤں  
نئی ترقیوں اور نئے نصب العین کی اُمت کو محسوس کرنے لگ جائے۔

انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ اس نئی حکومت کے نظام کی بنیاد قرآنِ خاص ہوگی۔ (یہ بھی باری مذہبی پیشوائیت کے لئے بڑا مخالفت ہوگی  
اس لئے ان کا عقائد پر ناجوئی جرات طلب اور صبرِ آزما ہم ہوگی۔ انہوں نے اپنے خطبات میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

یہ سوال رُودِ با دیرِ مسلم اقوام کے سامنے آنے والا ہے کہ اسلامی قوانینِ شریعت میں ارتقاء کی گنجائش ہے یا نہیں۔ یہ  
سوال بڑا اہم ہے اور بہت بڑی ذہنی جدوجہد کا تقاضا ہے۔ اس سوال کا جواب یقیناً اثبات میں ہونا چاہئے بشرطیکہ  
اسلامی دنیا اس کی طرف عمرہ کی روح کو لے کر بڑھے۔ وہ عمرہ جو اسلام کا سب سے پہلا اور حریت پسند قلب ہے  
جسے رسولِ اندام کی حیاتِ طیبہ کے آخری لمحات میں یہ کہنے کہ حراتِ نصیب ہوئی کہ

## حسب کتاب اللہ

ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے

وہ جانتے تھے کہ جس نظام کی بنیاد قرآنِ خلاصی پر ہوگی وہ دنیا کے ہر غیر قرآنی نظام کا مخالف ہوگا۔ اس میں ہر قسم کی شخصی حکومت کی مخالفت ہوگی خواہ وہ ملکیت ہو یا آمریت۔ حتیٰ کہ خرب کی جمہوریت بھی۔ اس میں مغرب کی استعماریت کی بھی مخالفت ہوگی۔ اور وطن اور نسل کی بنیادوں پر نیشنلزم کی بھی۔ اس میں نہ مغرب کا نظام سرمایہ داری یا اسکے گاندھی روس کا اشتراکی نظام۔ اس اعتبار سے اس جدید مملکت کی مخالفت مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت ہی کی طرف سے نہیں ہوگی۔ بلکہ دنیا کی ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ بنا بریں انہیں اس کا احساس تھا کہ اس مملکت کے قیام اور استحکام کی مخالفت ہر قوم کی طرف سے ہوگی۔ کوئی قوم بھی اسے برداشت نہیں کر سکے گی کہ یہ نظام دنیا کے کسی خطے میں بھی قائم ہو سکے۔ چنانچہ کلام اقبال میں اقوامِ مغرب اور تہذیبِ مغرب کے مخالف جو کچھ کہا گیا ہے (اور اس نگرار و اصرار کے ساتھ کہا گیا ہے) اس سے مقصود قرآنی مسلمانوں کو متنبہ (WARN) کرنا تھا کہ تمہاری اس سیکم کی مخالفت تمام دنیا کی طرف سے ہوگی۔

## ہر طرف سے مخالفت

اقبال یہ کہتا ہوا دنیا سے بھاگ گیا تو اس کے بعد قائد اعظم اس پکار کو لے کر آگے بڑھے۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ بنایا کہ اس مملکت میں اندازہ حکومت کس قسم کا ہوگا۔ فرمایا کہ یہ اسلامی مملکت ہوگی اور

## قائد اعظم

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی عملداری ہے اور عملداری کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(انٹرویو حیدر آباد - دکن - شائع شدہ روزنامہ انقلاب - لاہور - مورخہ جنوری ۱۹۴۲ء)

انہوں نے بھی اقبال کے نتیجے میں اس امر کی وضاحت کر دی کہ اس مملکت میں مذہبی پیشوائیت کا وجود نہیں ہوگا۔ انہوں نے ۱۹۴۲ء میں مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ) کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے انویجائٹوں سے کہا تھا کہ مسلم لیگ نے (کم از کم) ایک کام نوکر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے رجحیت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے۔۔۔۔۔ اس نے ہمیں اس افروزشِ آئندہ طبقہ کی بجائے بدیہوں سے آزاد کر دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔ (آغا میر - ملہاؤں - ص ۱۲۳)

انہوں نے مسلم لیگ کنونشن منعقدہ دہلی (۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء) میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اسے انہی طرح کچھ پیچھے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھئے! ہمارا نصب العین تقیہ کریم ہے۔ ہم تمہیں کریک سیٹ نہیں بنانا چاہتے۔ (ظہار اسلام ستمبر ۱۹۴۲ء)

انہوں نے قیام پاکستان کے بعد جنوری ۱۹۴۷ء میں یہ حیثیت گورنر جنرل اہل امریکہ کے نام اپنے براؤکاسٹ میں کہا تھا کہ

## تحقیق کر لی نہیں ہوگی

پاکستان میں کسی قسم کی تحقیق کر لی نہیں ہوگی جس میں عکس مت مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (جو ہم خوش) خدا کی مشن کو پورا کریں۔

یہ نیکو ہمارے ہاں ابھی تک نہ تو تحریک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب ہوئی ہے اور نہ ہی قائد اعظم کی کوئی معیاری سوانح حیات، اس لئے یہ چیز قوم کے سامنے آئی ہی نہیں کہ تحریک پاکستان میں متعدد محاذ کون کون سے تھے اور ان میں وجہ نزاع اور بنیادی گفت کیا تھی۔ یہ متعدد محاذ تھے مذہبی پیشوا اور اقبال اور قائد اعظم اور بنیادِ طاقت تھی اسلام کا وہ تصور جسے علماء پیش کرتے تھے اور اس کے برعکس وہ تصور جو انہماں اور قائد اعظم کے پیش نظر تھا۔ یہ جنگ تھی درحقیقت اسلام کے دو تصورات کے درمیان۔ ایک وہ اسلام جو کتابِ اشہد بہ منی تھا۔ دوسرا وہ اسلام جو ہمارے دور ملکیت کا ذریعہ کر رہا تھا اور جس کے علمبردار نہایت علماء تھے، اور ان کے ہم نوا وہاں کے ہندو، ہندو ابھی طرح ہاتھ تھا کہ اگر وہ آئی نظام ان کی دیوارِ دیوار مسکت (پاکستان) میں قائم ہو گیا تو اس کے انسانیت ساز نتائج کو دیکھ کر وہاں کی (مسلم اور غیر مسلم) آبادی حکومت کو ہمیں سے نہیں بیٹھنے دے گی۔ اس لئے وہ بھی اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ملک پاکستان میں اقبال اور جناح کے تصور کا اسلام کارفرما ہو جائے۔ آپ دیکھئے کہ وہاں یہ دو تصورات کس طرح ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ اچانک اس جنگ کی ابتدا ہندوستان کی سرزمین سے ہوئی تھی اس لئے ہم اس کا آغاز وہیں سے کرتے ہیں۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اقوامِ مغرب نے اس جنگ میں کیا رول ادا کیا ہے اور ابھی تک کہہ رہی ہیں

ہندوستان میں علماء کا مسلک یہ تھا کہ اگر مسلمانوں کو شخصی قوانین۔ نکاح، طلاق وغیرہ کی آزادی ہو، تو حکومت خواہ سکولری کیوں نہ ہو، اس سے اسلام کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ (ان علماء کے سرخیل) مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) کا ارشاد تھا کہ

ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہئے۔ ایسی مشترکہ آزادی، اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے۔ (زمزم، جولائی ۱۹۷۲ء)

اس اسلام کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا، مولانا مذکور کے ارشاد کے مطابق۔

کانگریس میں ہمیشہ ایسی سکاوڈ آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ لگے۔ (مولانا مدنی کا پمفلٹ: متوحد قومیت اور اسلامِ حلال۔ جسے انہوں نے علامہ اقبال کے جواب میں شائع کیا تھا)

یہ تھا اسلام کا وہ تصور جسے علماء کرام پیش کرتے تھے اور جس کے تحفظ کی ضمانت ہندو دیتا تھا۔ اس کے برعکس داعیانِ پاکستان کے پیش کردہ اسلام کا تصور یہ تھا کہ اسلام کو اسی صورت میں آزاد تسلیم کیا جاسکتا ہے جب کہ اس کا نفاذ مسلمانوں کی اپنی آزاد ملکیت میں ہو۔ اسلام میں ملکیت کی بنیاد ہی دین پر استوار ہوتی ہے۔ اس تصور کے اسلام کے متعلق ہندو کا رد عمل کیا تھا، اسے فور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اداں ۱۹۴۷ء میں جب ملکیت پاکستان کا مقصود و مطلوب ابھر کر سامنے آیا تھا، کانگریس کے (اُس زمانے کے) مشہور لیڈر مسٹر جیو لائیجائی ویسائی نے ایوانِ اسمبلی میں ہمیں

میں وہ کانگریس پارٹی کے لیڈر تھے، تاہم عظیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا :-

اب یہ ناممکن ہے کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جاسکے جس کی بنیاد مذہب پر ہو۔ اب وقت آچکا ہے کہ ہر امت کے لیے اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ غیر مذہب اور خدا کو ان کے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ خواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔ اس بات کو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اگر مذہب کو سیاست سے الگ نہ کیا جائے تو کوئی نظام حکومت قائم رہ سکتا ہے۔ عصر حاضر میں بہترین نظام حکومت اس نظر پر قائم ہو سکتا ہے کہ جہز قیائی حدود کے اندر گھرا ہوا ایک ملک ہو اور اس ملک کے اندر رہنے والے تمام افراد معاشی، اور سیاسی مفاد کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک قوم بن جائیں۔

(ہندوستان ٹائمز، ۱۹۳۸ء - ۵ - ۵)

اس پر جا شیہ آرائی کرتے ہوئے ہندوستان ٹائمز نے لکھا کہ

حکومت الہیہ کا تصور ایک داستانِ پازیتھ ہے اور مسلمانوں کا فعلِ عبث ہو گا اگر وہ ہندوستان جیسے ملک میں اس کے احیاء کی کوشش کریں جہاں مختلف جماعتیں ایک دوسرے سے نفرتی ہوئی ہیں، یا اس امر کا خیال کریں کہ اس مقصد کے لئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ علامتِ غرضِ اُند ہے کہ خود مسلمانوں کے ذمہ دار رہنا اس سراب کے پیچھے لگنا نہیں چاہئے۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۳۸ء - ۱۳ - ۱۲)

اور خود مسٹر گاندھی نے کہا :-

اگر میں کیشپ ہوتا تو مذہب اور حکومت کو الگ الگ کر دیتا۔ مجھے میرے مذہب کی قسم، میں اس کے لئے جان تک دے دیتا۔ مذہب میرا ذاتی معاملہ ہے۔ حکومت کو اس سے کیا واسطہ حکومت کا منصب یہ ہے کہ وہ تمہاری دنیاوی ضروریات کا خیال رکھے۔۔۔۔۔ مذہب سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ ہے۔

(ہیرنگو - ۱۱۹۴۶ء - ۱۲ - ۲۹)

جب مارچ ۱۹۴۷ء میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی، تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے، مسٹر گاندھی نے کہا تھا :-

میں پوری جرات اور جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر چانچ اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ اس پیغام کی خاطر تہ جہانی کر رہے ہیں جو فقط اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت غمیں لگ رہی ہیں۔ میں اپنے فرائض کی سرانجام دہی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ بانی سے متنبہ نہ کر دوں میں اس کا اس

تاریک وقت میں ان میں یہ وہی گیندہ کیا جا رہا ہے۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۲ - ۷)

اس کے دو ہی ماہ بعد مسٹر گاندھی نے پھر کہا کہ

اگر مذہب کو علیٰ عامہ رہنے دیا جائے۔ یعنی ایک گج کا معاملہ اور خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی تعلق تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کے کئی ایک اہم مشترک عناصر نکل آئیں گے جو مجبور کر رہی گئے کہ یہ دونوں ایک مشترک تہذیب بنیں۔ اور ان کی راہِ عمل بھی مشترک ہو۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۹۴۰ء - ۶ - ۱۹)



یکم نومبر ۱۹۷۱ء کو لدھیانہ میں اکٹھ بھارت کا نفرس منعقد ہوئی جس کی صدارت ہندوؤں کے مشہور رہنما مسٹر منشی نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا :-

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ پاکستان ہے کیا؟ نہیں معلوم تو سن لیجئے کہ پاکستان سے منہوہ یہ ہے کہ مسالوں کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے مسکن بنائیں جہاں طرز حکومت، قرآنی اصولوں کے سانچے میں دھل سکے اور جہاں اردو ان کی قومی زبان بن سکے، مختصر یہ کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک ایسا خطہ دار جن ہوگا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ (ریویو، ۱۱-۱۲-۱۹۷۱ء)

یہ کچھ ہندوؤں نے تحریک پاکستان کے دوران کہا۔ تقسیم ہند کے بعد بھی یہ شعلہ ان کے سینے میں برابر جھڑکتا رہا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد وہاں کے مشہور اخبار ہندوستان ٹائمز نے اپنی ۱۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا تھا :-

پاکستان، بالخصوص مشرقی بنگال کی اقلیتوں کو اتنا غرت و ہراس اور کسی چیز سے پیدا نہیں ہوا جتنا اس حقیقت سے کہ پاکستان کے رہنماؤں نے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی اصول و آیات کے مطابق ایک اسلامی مملکت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اس نے (اسی مقالہ افتتاحیہ میں) کہا کہ اگر کشمیر کا مسئلہ پر اس طریق سے طے ہو جائے اور پاکستان اسلامی سٹیٹ کے خیال کو ترک کر دے اور اپنے سامنے ایک جمہوری ریاست کی تشکیل کا نصب العین رکھے تو اس سے پاکستان اور ہندوستان اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں خوش گوار تعلقات کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا۔

اکتوبر ۱۹۷۱ء میں بیات علی خان (مرحوم) نے لندن میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان ایک اسلامی سٹیٹ ہے اور ہم نے تہتہ کر لیا ہے کہ وہ ان اصولوں پر قائم کی جائے گی جو ہمیں اسلام نے سکھائے ہیں۔ (ہندوستان ٹائمز، ۱۰-۱۱-۱۹۷۱ء)

اس پر اسی اخبار نے اپنی ۲۸ اکتوبر کی اشاعت کے مقالہ افتتاحیہ میں لکھا کہ تقسیم ہند کے وقت سے ہندوستان کے قیادوں نے اس امر کا اعلان کر رکھا ہے کہ ہندوستان میں سیکولر حکومت ہوگی لیکن سرحد کے اس پار کے میڈر پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ پاکستان اسلامی سٹیٹ ہوگا۔۔۔۔۔ چنانچہ ابھی پچھلے دنوں مسٹر بیات علی خان نے کہا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی سٹیٹ ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ہندو اس اسلام کے تو تحفظ کی ضمانت دیتا تھا جسے علماء دینی کو ملے تھے لیکن اس اسلام کے تصور تک سے اس کے سینے پر سانپ لوتے تھے جس کے نھاڑ کے لئے مملکت پاکستان (کا پہلے مطالبہ کیا گیا تھا اور بعد میں یہ) وجود میں آگئی تھی۔ اس قسم کی ممانعت میں ہندو کس حد تک جانے کی سوچ رہا تھا اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب تقسیم ہند کا فیصلہ ہو گیا تو کانگریس کی طرف سے پرنڈت جواہر لعل نہرو ایک طرف اس فیصلہ پر دستخط کر رہے تھے اور دوسری طرف اپنی قوم سے کہہ رہے تھے کہ

ہماری سکیم یہ ہے کہ ہم اس وقت مسٹر جناح کو پاکستان بنانے دیں اور اس کے بعد معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں مدغم کر لیجئے۔

( PAKISTAN FACES INDIA — P. 99 )  
اسے پھر ذہن میں رکھئے کہ (جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں) ہندو کو مسلمانوں کی ایک الگ مملکت بنانے پر کوئی خاص اعتراض نہیں تھا۔ انہیں اعتراض تھا تو اس پر کہ وہ مملکت (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام کے نفاذ کا ذریعہ ہوگی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ شش دہائی کی جنگ میں عبرت آموز شکست کھانے کے بعد اُس زمانے کے (ہندوستان کے) وزیر دفاع مسٹر چٹن نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان اسی دن سے خاصیت کی بنیاد رکھ دی گئی تھی جس دن پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان آئیڈیالوجی کا اختلاف ہے۔ اس کے سوا کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہ اختلاف اور دشمنی مہینے یا ہفتے بھر کی نہیں، بلکہ ساہا سال تک رہے گی۔ بھارت کو اس کے لئے ایک تازہ اور فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

۱۹۴۷ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بھارت نے بہت بڑا جوش منایا تھا اور وہاں کی پارٹیمان نے اس کامیابی پر مسرگاندھی کی خدمت میں ہدیہ مبارک یاد پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں مسرگاندھی نے جو کچھ کہا تھا وہ ہندو ذہنیت کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے۔ اُس نے کہا تھا۔

یہ کامیابی، نہ ہماری فوجوں کی کامیابی ہے اور نہ ہی حکومت کی کامیابی۔ یہ کامیابی ہے حق پرستی نظریہ کی اس نظریہ کے خلاف جو باطل پرستی تھا مسلمانوں نے تحریک پاکستان کی بنیاد ایک باطل نظریہ پر رکھی تھی جو انہیں بار بار کھاتے رہے کہ ان کا نظریہ غلط ہے، یہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے نہ مانا اور اپنی منہ پر قائم رہے۔ اسی سبب سال کے عرصہ نے بتا دیا ہے کہ جو کچھ ہم کہتے تھے وہ حق تھا اور ان کا نظریہ باطل۔ یہ ان کے باطل نظریہ کی شکست ہے۔  
یہ (مسرگاندھی کے بقول) باطل نظریہ کیا تھا؟ یہی کہ مملکت کی بنیاد (اقبال اور جناح کے تصور کے) اسلام پر رکھی جائے گی۔

مرحوم مودودی صاحب کی طرف سے مخالفت  
مطابق پاکستان کی سب سے زیادہ شدید مخالفت سید ابوالاعلیٰ مودودی (سرحد) کی طرف سے ہوئی تھی جس موضوع پر طلوع اسلام میں گزشتہ تیس ستریس سال میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ اس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ (طلوع اسلام نے تو بلکہ ستریس سال میں ان کی مخالفت کی تھی)۔ ان کا انداز مخالفت، نیشلسٹ علماء سے مختلف تھا لیکن اقبال اور جناح کے پیش کردہ اسلام کو وہ بھی "کافرانہ" قرار دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور تالیف "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ سوم میں لکھا تھا :-

جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام رائج ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو جائے گی۔۔۔ ان کا گمان



غلط ہے دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔  
بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت۔ (حکمت ۱۳۲)۔

انہوں نے اپنی مخالفت، تقسیم ہند کے زمانے تک برابر جاری رکھی، حتیٰ کہ انہوں نے اپریل ۱۹۴۷ء میں رجب  
تقسیم ہند کا اصولی فیصلہ ہو چکا تھا، تاہم برٹش اور پٹنہ میں اپنی جماعت کے خصوصی اجلاس منعقد کئے تاکہ انہیں  
صوبوں کے مسلمانوں کو مطالبہ پاکستان کے خلاف بھڑکایا جائے، چنانچہ انہوں نے اس وقت بھی تحریک پاکستان  
کو "غیر اسلامی" قرار دیا، اور (ان کے ایک رفیق کا) ملک نصر اللہ خان عروج (مرحوم) نے یہاں تک کہہ دیا کہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اقامت دین کے آغاز سے پہلے زمین کا ایک قطعہ حاصل کر لینا ضروری ہے  
جہاں دین کو برپا کر سکیں۔ حیرت ہے کہ یہ چیز خاصے سمجھ دار اور بظاہر معقول اور عالم دین لوگوں  
تک کی طرف سے کہی جاتی ہے۔ ایسی باتیں وہی لوگ کہہ سکتے ہیں۔ جو یا تو سیاست اور فلسفہ اجتماع  
سے کلیتہً نااہل ہیں اور عرض اوجھڑے سے چند باتیں اور نعرے سُنانا کہ سیاسی تحریکوں میں شامل ہو  
گئے ہیں اور کوئی سمجھ دار آدمی موجود نہ ہونے کی وجہ سے لیڈرئی کے درجے کو بیع کئے ہیں۔ یا پھر نفس  
پرستی میں مبتلا اور خوفِ خدا سے آزاد ہونے کی وجہ سے اُن پٹھ اور حقائق و سیاست سے ناواقف  
عوام کو بے وقوف بناتے ہیں تاکہ وہ ان کے جنگل سے نکلنے نہ پائیں۔ درنہ موتی بات ہے کہ حکومت کے قیام  
کے لئے آپ کو اینٹ اور گارے کی ضرورت نہیں کہ آپ قطععات زمین تاکتے پھریں، اس کے لئے آپ  
کو زمین کی نہیں بلکہ ایسی مضبوط اور منظم جماعت کی ضرورت ہے جو آپ کے پیش نظر نظریہ حکومت کو  
ماننے اور اس کے لئے مرنے والی ہو۔ اگر آپ نے ایسی جماعت پیدا کر لی تو یہاں بھی وہ ہوگی وہیں  
وہ اس نظریہ کی حکومت قائم کر لے گی (رونداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم، صفحہ ۱۵۷)۔

یعنی ان کے نزدیک بھی، اسلام کے نفاذ کے لئے الگ خطہ زمین کی ضرورت نہیں تھی یہی بات میٹلسٹ علما کہتے تھے  
اور ہندو بھی یہی چاہتا تھا۔

آپ نے دیکھا کہ تحریک پاکستان کے دوران بنیادی وجہ نزاع کیا تھی؟ یہ درحقیقت اسلام کے دو تصورات کا ٹکراؤ  
تھا۔ اسلام کا ایک تصور یہ تھا کہ حکومت کسی قسم کی نہیں ہو، اس میں اسلام پر عمل ہو سکتا ہے۔ دوسرا تصور یہ تھا کہ اس  
کے لئے الگ آزاد مملکت کا قیام لازماً شک ہے۔ جس میں حکومت قرآنی خطوط پر مشتمل ہو۔

ہندوؤں اور مسلمانوں کی ان مذہب پرست جماعتوں کی مخالفت کے علی الرغم پاکستان کے لئے ایک قطعہ زمین حاصل  
ہو گیا یہ ان کی شکست تھی لیکن انہوں نے اس شکست کو فتح سے بدینے کے لئے مختلف تدابیر سوچیں۔ (جیسا کہ پندت  
جو اہر محل نہرو نے اعلان کیا تھا) ہندو حکومت کے یہ ارادے تھے کہ سیاسی اور  
تفصیل پاکستان کے بعد  
عسکری سطح پر ایسے حالات پیدا کئے جائیں جن سے مملکت پاکستان کا (خاکِ بدین) وجود  
وجود ہی باقی نہ رہے۔ لیکن مذہب پرست جماعتوں نے یہ ارادہ کیا کہ یہ آزاد مملکت قائم رہتی ہے تو رہے، لیکن اس میں  
اقبال اور جناح کے تصور کا اسلام نافذ ہونے پائے، اسلام وہی نافذ ہو چکے معبر دار علماء حضرات ہیں۔ اس مقصد کے

حصہ کی بے ضروری تھا کہ یہ تمام جماعتیں پاکستان آجائیں اور یہاں اپنے تصور کے نفاذ کی کوشش کریں۔ چنانچہ تشکیل پاکستان کے ساتھ ہی یہ سب ہجوم کر کے ادھر آئے۔ ہندوستان سے پاکستان کی طرف آنے والے مسلمان عوام یہاں سے تو لاکھوں کی تعداد میں قتل ہو گئے۔ ان کے تعلقے لوٹے گئے۔ ان کی مصائب بردبار ہو گئیں۔ یہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ لیکن مذہب کے علمبردار حضرت امن وامان سے بکھافت اور خستہ ہو گئے۔

مہ نے شروع میں کہا ہے کہ حقیقی اسلام کے نفاذ سے ہندو ہی لڑاؤ و ترسہاں نہیں تھا۔ مغرب کی سرمایہ پرست اور سیکور نظام کی حامی اقوام بھی اس سے مخالفت تھیں۔ اس لئے ان کی بھی یہی کوشش تھی کہ (اول تو پاکستان بنے ہی نہ اور اگر یہ بن بھی جائے تو یہاں اقبال اور جناح کے تصور کا حقیقی اسلام نافذ نہ ہونے پائے اقبال نے جب پاکستان کا تصور دیا تھا تو اس کی نگاہ بصیرت نے اس خطرے کو بھی بھانپ لیا تھا۔ ان کی آخری تصنیف 'ارمغان حجاز' میں ایک تنہایت شگفتہ اور تلخ نظم ہے جس کا عنوان

### اقوام مغرب کی طرف سے مخالفت

ہے۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ۔ اس میں انہوں نے بڑے دل کش خاکائی دھڑائی (انداز میں) ان اقوام کے اس خطرے کو بے نقاب کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کے انزال کے لئے انہوں نے کیا سوچا ہے۔ انداز اس نظم کا یہ ہے کہ ابلیس اپنی کابینہ کی میٹنگ منعقد کرتا ہے جس میں ہر شعبہ کا مشیر اپنی اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کرتا ہے کہ اس نے مختلف اقوام کو ابلیسی راستوں پر ڈالنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ صدر مجلس، ابلیس، ان رپورٹوں کو بڑی توجہ سے سنتا ہے اور آخر میں کہتا ہے کہ تم نے جو تحریکوں کو ابلیسی پردہ گرام کے راستے کی رکاوٹ بنایا ہے مجھے ان میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا ان کے برعکس ہے

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے

جس کی خاکستریں ہے اب تک مستحضرِ آرزو

تم نے سب سے زیادہ دور اس پر دیا ہے کہ کیونکر تم میں ہمیں بڑا خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ لیکن تمہاری نگاہ ادبِ عالم کی سطح پر ہے۔ اور

جانتا ہے جس پر روشن باطنِ اہام ہے

مردِ کیت نشہٴ فردا نہیں، اسلام ہے

جب ابلیس نے کہا تھا کہ اسے دھقیقتِ خطرہ اُمتِ مسلمہ سے ہے تو اس کے مشیروں میں کچھ چہ بیگونیاں شروع ہو گئی تھیں اس پر اس نے کہا کہ تمہارے دل میں ہر شکوک ابھر رہا ہے میں مجھے ان کا احساس ہے۔

جانتا ہوں میں یہ اُمتِ حاملِ قرآن نہیں ہے وہی سرمایہ داری ہندہٴ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں جہاد بیٹھا ہے پرانِ حرم کی آستیں

یہ سب جانتا ہوں :

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف

جو دھماکے آتش کارِ شرعِ پیغمبرؐ۔ کہیں

وہ شرعِ پیغمبرؐ۔ یعنی قرآنی نظام، جس کی خصوصیت یہ ہے کہ

موت کا پیغام ہر نوبہ غلامی کے لئے  
اس سے بڑھ کر اور سب فکر و عمل کا انقلاب  
چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب  
اسے اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لئے کلمہ ایک ہی ہے ۔ اور وہ یہ کہ

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شمش جہات  
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات  
انہوں نے کہا کہ اس کے لئے نہ کیا چاہئے؟ اس نے کہا کہ یہ قوم بڑی مذہب پرست واقع ہوئی ہے، اس لئے اس سے مذہب  
کا پھڑا دینا مشکل ہے۔ گر آن الہ کے ہر گھڑی ہوتا ہے۔ انہیں کچھ بدوں اس سے بیگانہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس کے لئے  
جسے چاہیں قربان کی ضرورت ہوگی، اور وہ یہ کہ ان میں نظری مسائل کی بحثیں چھیڑ دو۔

بے یہی بہتر انتہیات میں اُکھٹا رہے یہ کتاب اللہ کی تادیلات میں اُکھٹا رہے

اور اس طرح ۔

تم اسے بیگانہ رکھو عسالم کردار سے  
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام  
پھر نفس ڈرتا ہوں اس آئندہ کی بیماری سے میں  
اس عطر سے محفوظ و مامون رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے ۔ اور وہ یہ کہ

ہے حقیقت جس کے دلی کی احتساب کا لگاتار  
مست رکھو ذکر و فکر صبح و شب میں اسے  
پختہ ترکہ دو مزاج خانقاہی میں اسے

اس سے مراد صرف تصوف کی خانقاہیت نہیں ۔ وہ مذہب بھی ہے جس کی علمبردار ہماری مذہبی پیشوائیت ہے ۔

علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور دینے کے ساتھ ہی اس خطہ سے بھی آگاہ کر دیا جو اسے پیش آنے والا تھا ۔  
یعنی نظام سرمایہ داری کی حامل اقوام مغرب (جنہیں بغیر تعارف امریکن ہلاک کہا جاتا ہے) کی طرف سے اس کی مخالفت  
اس ہلاک کی ابلت کا یہ عالم ہے کہ طرد ابلت نے بحضور رب العزت درخواست کی تھی کہ مجھے اب رہنما کر  
دیکھئے۔ کیونکہ

جمہور کے ابلتیں ہیں ارباب سیاست باقی نہیں اب میری ضرورت تم الہاک

اس ہلاک کے پیش نظر دو مقصد تھے ۔ ایک کیونکہ ہم نے سبب کی روک تھام ۔ اور دوسرے پاکستان میں اس اسلامی نظام کو  
قائم نہ ہونے دینا جس کی خاطر اسے حاصل کیا گیا تھا اور جس میں اس ہلاک کو اپنی موت نظر آتی تھی ۔ ان مقاصد کے حصول  
کے لئے مسلمانوں کی مذہبی پیشوائیت کو اپنا آدہ کاربنا ضروری تھا ۔ آپ کو یاد ہوگا کہ روس کے بڑھتے ہوئے خطہ  
کی روک تھام کے لئے امریکہ نے مسلمانان عالم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ

دُنیا کے خدا پرستو! آؤ ہم تمہارے ساتھ ہو کر اس اتحاد اور بے دینی کا مقابلہ کریں ۔

جب ۱۹۷۹ء میں پاکستان میں سیرت کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں یونیورسٹی آف ایڈنبرا کے شعبہ اسلامیات کے پروفیسر  
ڈیوئیوننگٹری ۔ وائس اے بھی شریک ہوئے تھے ۔ انہوں نے ۲ مارچ ۱۹۷۹ء کو اپنے خطاب کے دوران کہا تھا کہ

اس وقت نوع انسانی اخلاقی اور ثقافتی سطح پر ایک نہایت نازک صورت حال سے دوچار ہے۔ اس نئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے فرزندانی توحید کی طرف سے زیادہ سے زیادہ تبلیغ میسر آ سکے تاکہ عیسائی اور مسلمان اپنے مشترکہ دشمن "الحاد" کے خلاف مل کر جہاد کر سکیں۔ (نوائے وقت۔ لاہور۔ مورخہ مارچ ۱۹۷۹ء)

اس "زیادہ سے زیادہ تبلیغ" کے لئے اس ہلاک نے کیا کچھ کیا اس کے متعلق ہم آگے چل کر تفصیل سے بتائیں گے جہاں فقہاء مختلف ازم کی تحریک کا ذکر آئے گا۔ سروسٹ آپ "الحاد و بے دینی کے خلاف جہاد" کو دیکھئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ الحاد اور بیدینی کی مخالفت مسلمانوں کا فرض ہے لیکن قرآن تو دوس کے انکار خدا اور اقوام مغرب کے اقارب خدا دونوں کو یکساں قرار دیتا ہے۔ اور دونوں سے اُس خدا پر ایمان کا مطالبہ کرتا ہے جس کا تصور قرآن نے پیش کیا ہے لیکن ہماری مذہبی پیشوائیت نے اس میں فرق کیا اور دوس کی لادینی کی مخالفت کو اپنا دینی فرض قرار دے لیا۔ نتیجہ اس کا یہ کہ (دوس کی لادینی پر اس کا کچھ اثر پڑا ہو یا نہ) مذہبی پیشوائیت کی طرف سے جس قدر یہ جہاد زور پکڑتا گیا، مغربی ہلاک کا نظام سرمایہ داری اس نسبت سے مستحکم ہوتا گیا۔ یہ اس ہلاک کا پہلا مقصد تھا۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں اس اسلام کا نفاذ نہ ہونے پائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مذہبی جماعتوں کا تعاون ضروری تھا۔ اس سلسلہ میں (کا عدم) جماعت اسلامی کا نام نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ اس زمانے میں تو اس قسم کی خبروں کو کسی نے چندان درخور اعتناء نہ سمجھا لیکن اب جو ماضی کے ان واقعات پر نگہ باز گشت ڈالتے ہیں تو نظر آ جاتا ہے کہ اس جماعت کے امریکہ ہلاک کے ساتھ شروع ہی سے روابط قائم تھے۔ (مثلاً) روزنامہ امروز (لاہور) کی یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں یہ خبر درج تھی کہ

امریکی سفارت خانہ کے پروفیسر ڈاکٹر ویکرنے گورنمنٹ کانج میا نوالی کے طلباء کو بلیم دیئے جن میں کیونزم کی مخالفت تھی۔ ان کے ساتھ جماعت اسلامی لاہور کے راہ نما بھی آئے تھے۔ اور مقامی امیر مولانا گلزار احمد تھے۔ (بحوالہ امروز۔ مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء)۔

یہ ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے۔ ۱۹۵۵ء میں حکومت پاکستان نے امریکہ کے ساتھ اپنے روابط مستحکم کرنے کا فیصلہ کیا تو (مرحوم) مورودی صاحب نے لاہور اور کراچی میں پبلک جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے اچھے الفاظ میں کہا:۔

اگر یہ (امریکی) ہلاک فی الواقعہ چاہتا ہے کہ کیونزم کی روک تھام کے لئے اسے مسلم عوام کا دل تعاون حاصل ہو تو اسے اپنی بنیادی پالیسی میں بنیادی تغیر کرنا پڑے گا۔ اسے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اسے مسلم ہلاک کے حکمرانوں سے ساز باز کرنا ہے یا مسلم ممالک کے عوام کا تعاون حاصل کرنا ہے۔ یہ اس کے سوچنے کا کام ہے کہ اسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ اسے حکمرانوں کی ضرورت ہے جو عوام پر سبھی اثر بھی نہیں رکھتے یا عوام کے تعاون کی ضرورت ہے جو طاقت کا اصلی سرچشمہ ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ مسلمان ملکوں کے ساتھ آپ کی جو پالیسی اب تک چلی آرہی ہے وہ ایسی ہرگز نہیں ہے کہ پاکستان اور دوسرے ممالک کے عوام کا دل تعاون آپ کو حاصل ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان اخبار تسنیم بابت ۱۶ و ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء)

ظاہر ہے کہ اس ہلاک کو مسلم عوام کا تعاون ان کے لائندوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا تھا۔

ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ یہ تہذیبیہ روابط قائم ہوئے یا نہیں۔ اور اگر قائم ہوئے تو ان کی نوعیت کیا تھی، اب یہاں اس

قسم کی جو میگوئیاں ہوتی رہیں کہ امریکہ کی طرف سے یہاں کی مذہبی جماعتوں کو مالی امداد ملتی ہے۔ حتیٰ کہ (اس زمانہ کی) نیشنل عوامی پارٹی کے جوائنٹ سیکرٹری محی الدین احمد صاحب نے ڈھاکہ کے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ "جماعت اسلامی کو کسی آئی۔ اے کی طرف سے حال ہی میں ساٹھ لاکھ روپیہ ملا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ غازی کعبہ تیار کرنے کے بہانے ... پچیس لاکھ روپیہ عظیم کر گئی ہے۔ (بحوالہ روزنامہ امروز - مورخہ ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء)۔ اسی سلسلہ میں مقرر جریڈ چٹان لاہور نے اپنی ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا :-

"غیر ملکی حکومت سے گفتگو کرنے اور اس کے ساتھ روابط پیدا کرنے کا حق صرف اس ملک کی حکومت کو ہونا ہے۔ اگر کسی ملک کی کوئی جماعت اپنے طور پر یہ اقدام کرتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ملک کی نہیں بلکہ کسی اور ملک کی گماشتہ ہے۔"

(۱۰)

## اسلام نافذ کرو کا نعرہ

ہم اس سوال کے سیاسی گوشے سے قطع نظر کرتے ہوئے، اس گوشے کی طرف آتے ہیں کہ جمہوری جماعتوں نے مطالبہ پاکستان کی اس قدر عظمت کی تھی انہوں نے یہاں "اسلام نافذ کرنے" کے سلسلہ میں کیا کیا۔ انہوں نے یہاں آتے ہی یہ مطالبہ شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس لئے یہاں سب سے پہلا کام اسلام کے نفاذ کا ہونا چاہئے۔ اور یہ کام ہم ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ ان سے کسی نے نہ پوچھا کہ آپ یہاں کون سا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں وہ اسلام جس کا تصور اقبال اور قائد اعظم نے پیش کیا تھا، یا وہ اسلام جسے آپ پیش کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے وہی اسلام نافذ کرنا تھا، چھ یہ وہاں پیش کرتے تھے اور جس سے پاکستان کی جداگانہ مملکت کا جواز ہی باقی نہیں رہتا تھا۔ انہوں نے جب اپنے مطالبہ پر زیادہ زور دیا تو اعتراض یہ ہوا کہ آپ میں تو اس قدر فرق ہے جس میں اس قدر باہمی اختلاف ہے۔ اس لئے یہاں کون سا اسلام نافذ کیا جائے! اگر آپ کوئی متفق علیہ فارمولہ متعین کر سکیں تو اس باب میں پیش رفت ہو سکے۔ اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے ۱۹۷۱ء میں مختلف فرقوں کے نمائندگان پر مشتمل (۲۱) علماء کی کانفرنس منعقد کی جس میں قانون سازی کے سلسلہ میں حسب ذیل فارمولا پیش کیا گیا :-

(۱) بدستل لاز ہر فرقے کے اپنے اپنے ہوں گے۔ اور

(۲) ملک کے قوانین امت ب و سنت کے مطابق مرتب کئے جائیں گے۔

یہ بہت بڑا مقدس فریب تھا جو قوم کو دیا گیا۔ مقصد اس سے یہ تھا کہ ملکی قوانین کا کوئی ضابطہ مرتب ہو ہی نہ سکے۔ تفصیل اس اجمال کی بڑی سنی خیز ہے۔ جہاں تک کتاب کا تعلق ہے، اس نے مراد قرآن مجید ہے جو سب فرقوں کے نزدیک مستلیم ہے۔ لیکن سنت کی یہ کیفیت نہیں۔ یہی نہیں کہ ہر فرقہ کی سنت الگ الگ ہے۔ سنت کہتے کچھ ہیں، اس میں بھی ان کا اختلاف ہے۔ اور شدید اختلاف۔ کانفرنس میں پاس کردہ فارمولا

(کتاب و سنت) پر دستخط کرنے والوں میں، سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) اور مولانا محمد اسماعیل سلطانی (مرحوم) صدر مرکزی جماعت اہل حدیث، سربراہ سنت تھے۔ سنت کی (DEFINITION) کے متعلق ان میں جو بحث چلی، وہ

مولانا مرحوم کی طرف سے قائل کردہ کتاب ”جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث“ میں بالتفصیل درج ہے۔ اس کے نمایاں اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔ اہل حدیث حضرات کے نزدیک جس کے نامزدہ مولانا سلفی (مرحوم) تھے۔ صحیح احادیث میں جو کچھ آیا ہے، وہ سب کا سب سنت ہے۔ اس کے برعکس، مولوددی صاحب (مرحوم) کے نزدیک۔

## مولوددی صاحب کے نزدیک

سنت اس طریق عمل کو کہتے ہیں جس کے سکھانے اور جاری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا تھا۔ اس سے شخصی زندگی کے وہ طریقے خارج ہیں جو نبی نے بحیثیت ایک انسان ہونے کے، یا بحیثیت ایک ایسا شخص ہونے کے جو انسانی تاریخ کے خاص دور میں پیدا ہوا تھا، اختیار کئے۔ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک ہی عمل میں مخلوط ہوتی ہیں اور ایسی صورت میں یہ فرق اور امتیاز کرنا کہ اس عمل کا کونسا جزو سنت ہے اور کونسا جزو عادت، بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ آدمی اچھی طرح دین کے مزاج کو سمجھ چکا ہو۔۔۔ تمدن و معاشرت کے معاملات میں ایک چیز وہ اخلاقی اصول ہیں جو زندگی میں جاری کرنے کے لئے نبی تعریف لئے تھے اور دوسری چیز وہ عملی صورتیں ہیں جو کوئی مانے ان اصولوں کی پیروی کے لئے خود اپنی زندگی میں اختیار کیا۔ یہ عمل صورتیں کچھ تو حضور کے شخصی مذاق اور طبیعت کی پسند پر مبنی تھیں کچھ اس ملک کی معاشرت پر جس میں آپ پیدا ہوئے تھے۔ اور کچھ اس زمانے کے حالات پر جن میں آپ مبعوث ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی چیز کو بھی تمام اقوام اور تمام لوگوں کے لئے سنت بنانا مقصود تھا۔

(رسالہ مسائل - جلد اول، ص ۳۱۷)

اسی کتاب میں وہ ص ۳۱۷ پر لکھتے ہیں۔

بعض چیزیں ایسی ہیں جو حضور کے اپنے شخصی مزاج اور قومی طرز معاشرت اور آپ کے عہد کے تمدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو سنت بنانا تو مقصود تھا نہ اس کی پیروی پر اس دلیل سے اصرار کیا جاسکتا ہے کہ حدیث کی رو سے اس طرز خاص کا پاس لیا جیتے تھے اور نہ شرائع الہیہ اس غرض سے لے آیا کرتی ہیں کہ کسی خاص شخص کے ذاتی مذاق یا کسی قوم کے مخصوص تمدن یا کسی خاص زمانے کے رسم و رواج کو دنیا بھر کے لئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سنت بنادیں۔ سنت کی اس مخصوص تعریف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو چیزیں اصطلاح شرعی میں سنت نہیں ہیں ان کو ظراہ طورہ سنت قرار دے لینا منجملہ اظہار بات کے ہے جن سے نظام دینی میں تعریف و ترویج ہوتی ہے۔

یعنی اہل حدیث حضرات کے نزدیک صحیح حدیث میں جو کچھ آیا ہے وہ سب کا سب سنت رسول اللہ کے دائرے میں شامل ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔ لیکن مولوددی صاحب کے نزدیک صحیح احادیث میں سے وہ باتیں سنت کے دائرے میں داخل نہیں جنہیں نبی اکرم نے اپنی بشری حیثیت سے عاداتاً اختیار کیا تھا۔ اگر کوئی شخص ان باتوں کو بھی سنت قرار دے تو اس کے متعلق مولوددی صاحب کا ارشاد تھا کہ

میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سنت قسم کی بدعت اور ایک خطرناک تحریف دین ہے جس سے نہایت بڑے نتائج پہنچتے ہیں ہر جگہ رہے ہیں اور نذرہ بھی ظاہر ہونے کا خطرہ ہے۔

(ایضاً ص ۳۱۷)



اس سے ذرا پہلے لکھتے ہیں :-

جو امور آپؐ نے عادتاً کئے ہیں انہیں سنت بنا دینا اور تمام دنیا کے انسانوں سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ سب ان عادات کو اختیار کر لیں، ایڈا اور اُس کے رسولؐ کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا۔ یہ دین میں تحریف ہے۔ (ایضاً - ص ۳۱)

اس پر اعتراض یہ وارد ہوا کہ احادیث کے مجموعوں میں تو اس کی تصریح کہیں درج نہیں کہ حضورؐ نے فلاں بات پر حیثیت رسولؐ فرمائی (یا کی) تھی اور فلاں بات بشری حیثیت سے۔ تو (مودودی صاحب کے اصول تنظیم مطابق) سنت کہ متعین کیسے کیا جائے تھا۔ اسے کون متعین کرے گا اور اس کے سنت ہونے کی سند کیا ہوگی؟ اس کے جواب میں مودودی (مرحوم) نے کہا کہ ایسے معاملات کا فیصلہ سند اور دلیل کی رُو سے نہیں ہوا کرتا۔ اس کا فیصلہ وہ شخص کہ سنتا ہے۔ :-

جس نے حدیث کے بیشتر ذخیرہ کا گہرا مطالعہ کر کے احادیث کو پرکھنے کی نظر بہم پہنچائی ہو۔ کثرت مطالعہ اور عمارت سے انسان میں ایک ایسا ملک پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ رسولؐ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔ .... اس کی کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے ایک پرانے جوہری کی بصیرت کہ وہ جوہر کی نازک سے نازک خصوصیات تک کو پرکھ لیتی ہے۔ .... اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد وہ استاد کا زیادہ محتاج نہیں رہتا۔ وہ استاد سے مدد ضرور دیتا ہے مگر اس کے فیصلے کا مدار اس پر نہیں ہوتا۔ وہ بسا اوقات ایک غریب ضعیف منقطع استاد مطعون فیہ حدیث کو بھی سے لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نظر اتنا دہ پھر کے اندر ہرے کی جوت کو دیکھ لیتی ہے۔ اور بسا اوقات وہ ایک غیر محفل، غیر شاذ، متصل البتہ مقبول حدیث سے بھی اعتراض کر جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس جام زیریں میں جو بادۂ معنی بھری ہوئی ہے۔ وہ اسے طبیعت اسلام اور مزاج نبوتؐ کے مناسب نظر نہیں آتی۔ (تقریبات - حصہ اول - ص ۳۲ - ۳۳)

مولانا اسماعیل (مرحوم) نے اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھا :-

اگر ایک جماعت اپنی عقیدت مندی سے کسی اپنے بزرگ یا قائد کو خدا کا مزاج شناس سمجھ لے یا رسولؐ کا منزل و مقام تصور کر لے، پھر اسے اختیار دے کہ اصول مہرشی کے خلاف جس حدیث کو چاہے قبول کر لے جیسے چاہے رد کر دے، یا کوئی عالم یا قائد بلا وجہ کسی موضوع یا متعلق، امر مسل یا منقطع حدیث کے متعلق یہ دعوے کر دے کہ میں نے اس میں میرے کی جوت "دیکھ لی ہے تو یہ معنی کا انگریز پوزیشن میں یقیناً ناگوار ہے۔ ہم انشاء اللہ آخری حد تک اس کی مزاحمت کریں گے اور سنت رسولؐ کو ان کو انی حملوں سے بچانے کی کوشش کریں گے (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث - ص ۶۱)

ظاہر ہے کہ حجب سنت کی (DEFINITION) میں اختلاف کا یہ عالم ہے کہ سنت کا وہ ثبوت کہاں سے مل سکے گا جسے تمام فرقے متفقہ طور پر سنت تسلیم کرتے ہوں! ان حالات میں آپؐ خود فیصلہ کر لیجئے کہ کونسا فرقہ میں (۳) علماء نے جو متفق علیہ مطالبہ پیش کیا تھا کہ ملکی قوانین کتاب سنت کے مطابق مرتب ہوں! وہ کہاں تک قابل عمل تھا؟ اس کے باوجود یہ حضرات (مودودی مرحوم) کہتے ہیں سال تک یہ مطالبہ پیش کرتے رہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کتاب سنت کے مطابق مرتب ہونے چاہئیں تاکہ (۴) علماء میں (۵) خود مودودی (مرحوم) کو اعلان کرنا پڑا :-

کتاب و سنت کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں ہے جو پبلک لاز کے معاملہ میں حنفیوں، شیعہوں اور اہل حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔ (جماعت اسلامی کا ترجمان، ایڈیشن ۱، ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء)

اس مقام پر آپ کے دل میں یہ خیال ابھرا ہوگا کہ جب مودودی (مرحوم) نے محسوس کیا کہ یہ سنت کے پیروں کو وہ اختلافات ہیں جن کی وجہ سے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا، تو انہوں نے تجویز کیا ہوگا کہ قانون سازی کا یہ نو قرآن کو قرار دے دیا جائے کیونکہ اس میں تو کسی کو اختلاف نہیں، لیکن تو یہ سمجھے، وہ ایسا کس طرح کر سکتے تھے؟ قرآن کے تو نام سے ان حضرات کو چڑھے کیونکہ اس سے ان کا رہنمایا ہوا سارا کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ ان لوگوں کو قرآن کے نام سے کس قدر چڑھے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ دو سال اُدھر کی بات ہے، سعودی عرب نے اپنے ان ایک نیا دستور رائج کرنے کا فیصلہ کیا، اس کے مسودہ پر تبصرہ کرتے ہوئے، (کا عدم) جماعت اسلامی کے ترجمان ایڈیشن ۱، جی ۱۲، ۱۳ اگست ۱۹۷۹ء کی اشاعت کے ادارہ میں لکھا ہے۔

ایک اور بات کی جانب بھی ہم توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں۔ خبر ہے کہ شہزادہ ناٹف نے کہا ہے کہ سعودی عرب کا آئین قرآن کریم ہوگا۔ بلاشبہ اس سے ان کا دستور قرآن، حدیث سے منقطع نہیں ہے۔ لیکن زیادہ مناسب ہوگا کہ سعودی عرب کا جو بھی دستور بنے اس میں کتاب کے ساتھ ساتھ کاللفظ ضرور موجود ہو۔

مقصود اس سے یہ تھا کہ اسلامی مملکت کی جس اسکیم کو ہم یہاں ناکام بنا چکے ہیں۔ وہ کہیں سعودی عرب میں کامیاب نہ ہو جائے۔

بہر حال جب مودودی (مرحوم) نے کہا کہ کتاب و سنت کی دوسری کوئی متفق علیہ ضابطہ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا تو ان سے پوچھا گیا کہ پھر پاکستان میں اسلامی قوانین کے سلسلہ میں کیا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں فقہ حنفی رائج کر دی جائے۔ یعنی وہ فقہ جس کے متعلق ان کے اپنے نظریات یہ تھے :-

- ۱۔ مجتہد خواہ کتنا ہی باکمال ہو، زمان و مکان کے تعینات سے بالکل آزاد نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی نظر تمام ازمند و احوال پر وسیع ہو سکتی ہے۔ لہذا اہل کے تمام اجتہادات کا تمام زانوئوں میں اور تمام حالات کے مطابق ہونا غیر ممکن ہے۔

(تغیہات، حصہ دوم، ایڈیشن ۱۹۷۹ء - ۱۹۸۰ء)

- ۲۔ یہ سلف کون سے انبیاء تھے جن پر ایمان لانے کی مسلمانوں کو تکلیف دی گئی ہے۔ (ایضاً)
- ۳۔ بزرگان سلف کے اجتہادات نہ تو اہل قانون قرار دیئے جاسکتے ہیں اور نہ سب کے سب دریا برد کر دینے کے لائق ہیں صحیح اور معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں رد و قبول کیا جاسکتا ہے۔

(رسائل و مسائل، جلد دوم، ایڈیشن ۱۹۷۹ء - ۱۹۸۰ء)

- ۴۔ دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک مجدد شامتر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن، محرم سنہ ۱۳۷۹ھ)

- ۵۔ یہ طریقہ یہ ہے کہ میں ان میں سے کسی کی تحقیق کو مہذب آخر نہیں سمجھتا۔ اور حسب میرا ان کے بیانات

سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کر کے رائے قائم کرتا ہوں۔

( رسائل و مسائل - حصہ دوم - ایڈیشن ستمبر ۱۹۹۵ء - ص ۱۶ )

۶۔ میں ذمہ دار اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ منفیات یا ضمیمات  
اسی کا پابند ہوں۔ ( رسائل و مسائل - حصہ اول - ستمبر ۱۹۹۵ء ایڈیشن ص ۲۳ )

۷۔ میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لئے تقلید ناجائز اور گناہ، بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز  
ہے۔ ( ایضاً ص ۲۳ )

۸۔ ایک صاحب مقل انسان کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کسی عقیدہ  
کا معتقد ہو اور اس اعتقاد کے حق میں اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی دلیل نہ ہو کہ اس کے  
باپ دادا بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے.... کسی چیز کے صحیح یا برحق ہونے کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں  
کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ ( تنقیدات - پانچواں ایڈیشن - ص ۱۵۱ )

۹۔ انسان خواہ سراسر اپنی رائے سے اجتہاد کرے یا کسی اہل کتاب سے اقتساب کر کے اجتہاد کرے  
دونوں صورتوں میں اس کا اجتہاد دنیا کے لئے دائمی قانون اور اہل قاعدہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسانی  
مقتضی اور علم ہمیشہ ناکافی رہتا ہے۔ ( ایضاً - ص ۱۵۱ )

فقہ کے متعلق مودودی صاحب کے ان نظریات کے ساتھ ان کے اس مطالعہ کو بھی پیش نظر رکھئے کہ ملک میں فقہ حنفی رائج  
کر دیا جائے۔

فقہ حنفی کو حنفی (رئس) فرقہ کے سوا کوئی فرقہ نہیں من و عن اسلامی تسلیم نہیں کرتا۔ مذہب سے عدم دل چسپی کی انتہا ہے  
کہ جب مودودی (مرحوم) نے یہ تجویز کی کہ ملک میں فقہ حنفی رائج کر دی جائے، تو کسی نے ان سے یہ نہ پوچھا کہ آپ نے کتاب  
و سنت کے فارمولہ کو اس لئے مسترد قرار دے دیا تھا کہ اس کی رو سے کوئی مضابطہ قوانین ایسا مرتب نہیں ہو سکے گا جسے  
تمام فرقے اسلامی تسلیم کریں، تو برعکس قوانین فقہ حنفی کے مطابق مرتب ہو گا، کیا اُسے تمام فرقے اسلامی تسلیم کریں گے؟ کسی  
نے ان سے یہ نہ پوچھا، حتیٰ کہ ان مذہبی فرقوں نے بھی، جو چھوٹے چھوٹے (فردی) مسائل کے اختلاف پر حنفیوں سے اُٹھتے رہتے ہیں اور  
ان کے اختلافی جھگڑے پولیس اور عدالتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ خود حکومت نے بھی اس سوال کو درغور  
اعتناء سمجھا اور فقہ حنفی کو قانون سازی کا مدار تسلیم کر لیا، اس سبب امتیازی کا نتیجہ جلد ہی سامنے آ گیا، جب ذکوۃ سے متعلق قانون  
پبلک لا کی کمیٹی سے نافذ کیا گیا تو متبعہ حضرات کی طرف سے اس کے خلاف ایسا شدید عملی احتجاج ہوا کہ حکومت کو یہ قانون  
بدن پڑا اور ہر فرقہ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرے۔ (قرآنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی اہمیت اجازت  
نہیں دی گئی)۔ یہ حشر ہوا پہلے ہی پبلک لا کا، جہاں تک سزاؤں (حدود) سے متعلق نافذ کردہ قوانین کا تعلق ہے خود صدر  
ملکت نے ایک سے زیادہ بار اس کا اقرار کیا ہے کہ یہ ناممکن العمل ہیں۔ حدود آدمی انہیں کے نفاذ کے چند ہی روز بعد صدر  
ملکت نے سرکاری (C. B. S) کی فی دی ٹیم کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں ان کے اس اعتراف کے جواب میں کہ یہ سزائیں  
بڑی وحشت ناک ہیں، کہا تھا کہ :

یہ جھٹیک ہے۔ لیکن میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا۔ اسلام سزا کے بجائے توبہ پر زور دیتا ہے۔ اگر آپ

## ہائمن لعل

اس فلسفہ پر نگاہ رکھیں گے جہاں سنگین سزاؤں کے پچھلے کارفرما ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس قانونی شہادت کی روشنی میں کتنا اکیلا جا رہا ہے ایک فی ہزار مجرموں کو بھی سزائیں نہیں دی جاسکیں گی۔

(پاکستان ٹائمز، ۱۸ فروری ۱۹۷۷ء)

صدر مملکت نے، اوائل نومبر ۱۹۷۷ء میں ہائمن لعل کا ملک سے خارج ہونے والے سنگین ایضیاویک (ASIA WEEK) کو انٹرویو دیا جس میں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان میں شرعی حدود کے متعلق قوانین تو نافذ کر دیئے گئے ہیں لیکن ان کے مطابق کسی کو سزا نہیں مل رہی۔ فرمایا کہ:

یہ ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ قرآنی قانون کا فلسفہ یہ ہے کہ تہمت ہاں ایسی قوت ہونی چاہئے جو لوگوں کو از تکلیف مجرم سے باز رکھ سکے۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے چار گواہ مل سکیں جو شہادت دیں کہ انہوں نے جیسی اختلاط کے وقت مل دھول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟ ایسا ناممکن (IMPOSSIBLE) ہے۔ (ایضیاویک - بابت نمبر دسمبر ۱۹۷۷ء)

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں اسلام کو کس طرح ایک محضو محفل بنا کر رکھ دیا گیا ہے؟ اس کے باوجود چہ چاہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کا اقرار ہو رہا ہے۔ پاکستان کے مخالفین (اور اقبالیہ کی نگاہ میں دور رس کے مطابق) اقوام مغرب دونوں کا یہی منشاء تھا۔

ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ مغرب کی نظام سربراہ داری کی علمبردار قوتوں نے ”خدا پرستوں“ (یعنی مسلم اقوام) کو جو دعوت آمیز و تعاونی دی تھی تو اس سے کم از کم کے سیلاب کے سامنے پس ہونا مقصود تھا۔ موردی (مروجہ) اسے اس لئے ان سے کہا تھا کہ تہداریہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ تم مسلم ممالک کے حکمرانوں کے بجائے یہاں کے عوام سے رابطہ قائم کرو۔ یہ رابطہ کس طرح قائم ہوا اس کی تفصیل میں جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ لیکن موردی (مروجہ) نے اسلام کا جو معاشی نظام پیش کیا وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ قبل

## نظام سربراہ داری

نے نظام سربراہ داری کو عین مطابق اسلام ثابت کرنے کے لئے کس حد تک کوشش کی۔ اس نظام کو انہوں نے اپنی کتاب ”مسئلہ ملکیت زمین“ میں تفصیل شہ پیش کیا ہے۔ اس کے دو ایک اقتباسات ملاحظہ فرمائیے۔

وہ اس میں کہتے ہیں :-

۱۔ اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کمیت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ جائزہ ذرائع سے حاصل ہونے والی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق و واجبات ادا کئے جاتے رہیں، بلا محدود نہایت رکھی جاسکتی ہیں۔ روپیہ، پیسہ، جانور، اشیاء، مکانات، سوازی، فرق کسی چیز کے معاملہ میں بھی قانون ملکیت کی مقدار پر کوئی حد نہیں۔ پھر آخر تہذیبی بنیادیں وہ کوشی خصوصیت ہے جس کی بنا پر صرف اس کے معاملہ میں شریعت کا سیلان یہ ہو کہ اس کے حقوق ملکیت کو مقدار کے لحاظ سے محدود کر دیا جائے (مسئلہ ملکیت زمین)

جیل ایڈیشن - ۱۹۵۰ء - صفحہ ۵۳

آگے چل کر اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے :-

آخری چیز جو مسلمان مصلحین کی نگاہ میں دینی ضروری ہے یہ ہے کہ اسلام کے موردی دیتے ہوئے ہم کسی نوع

کی جائز ملکیتوں پر تو تعدا و مقدار کے لحاظ سے کوئی پابندی عائد کر سکتے ہیں اور نہ ایسی من مانی قیود لگا سکتے ہیں جو شرعیت کے رُخ سے ہوئے جائز حقوق کو مطلقاً سلب کر دینے والی ہوں۔ اسلام صلیا چیز کا آدمی کو پابند کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ مال آئے جائز راستے سے آئے، جائز طریقے پر استعمال ہو جائز راستوں میں جائے۔ اور خدا اور بندوں کے ہر حقوق اس پر عائد کئے جائے ہیں وہ اس میں سے ادا کر دینے جائیں اس کے بند جس طرح وہ ہم سے، نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ اتنے ملکین، اتنا تجارتی کاروبار، اتنا صنعتی کاروبار اتنے مویشی، اتنی موٹریں، اتنی کشتیاں اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو، اسی طرح وہ ہم سے یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو۔ پھر جس طرح وہ ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم صرف اسی تجارت یا صنعت یا دوسرے کاروبار کے مالک ہو سکتے ہو جسے تم براہ راست خود کرو اور جس طرح اس نے دنیا کے کسی دوسرے معاملہ میں ہم پر یہ قید نہیں لگائی ہے کہ تم کسی ایسے کام پر حقوق ملکیت نہیں رکھ سکتے جو جس کو تم اُجرت پر یا شرکت کے طریقے پر دوسروں کے ذریعے سے کر رہے ہو، اسی طرح وہ یہ بھی نہیں کہتا کہ زمین کا مالک بھی وہی ہو سکتا ہے جو اس میں خود کاشت کرے اور یہ کہ اُجرت یا شرکت پر کاشت کرانے والوں کو سرے سے زمین پر حقوق ملکیت حاصل ہی نہیں ہیں۔ اس قسم کی قانون سازیاں خود مختار لوگ کر سکتے ہیں۔ مگر جو خدا اور رسول کے مطیع فرمان ہیں، وہ ایسی باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔ (ایضاً ص ۴۳)

یہی نظام اس وقت یہاں رائج ہے جسے اسلامی کہنے کے لئے فقہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ دولت کا انبار اور انبار جمع کرنا عین مطابق اسلام ہے بشرطیکہ اس میں سے چند پیسے بطور ”زکوٰۃ“ ادا کر دیے جائیں۔ یہ تو کا نام ہے قرآن نے ”خدا اور رسول“ کے خلاف بغاوت قرار دیا ہے) منافع رکھ دیا گیا ہے، خواہ وہ بینکوں میں جمع کر دے، رقم پر ہوا اور خواہ کاروبار میں (SLEEPING PARTNER) کے طور پر جس کے لئے فقہ کی اصطلاح سنا بہت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ زمین پر ہے، وہ نہایت ملکیت جائز ہے بشرطیکہ اس سے ”عشر“ ادا کر دیا جائے۔ اس قسم کے منافع کو سزا و عت کبہ دیا گیا ہے۔ یہ نظام سرمایہ داری کی وہ شدید شکل ہے جس میں اب خود نظام سرمایہ داری کی حامل اقوام مغرب، جھلک پیدا کرتی جا رہی ہیں۔ یہاں اسے اسلام کے معاشی نظام کے نام سے رائج اور مستحکم کیا جا رہا ہے۔ یہی اقوام مغرب کا منشا رہا تھا۔

(۱۰)

ہندو، بھاری مذہبی پیشواہیت اور اقوام مغرب کی یہ تعلیق سازش آہستہ آہستہ زمیں میسر ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس کی رفتار بڑی سبب سے تھی اور اقوام مغرب یہ خطرہ محسوس کر رہی تھیں کہ ان کی یہ آہستہ خدائی رفتہ رفتہ بھوک کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ اس خطرہ کے ازالہ کے لئے انہوں نے ایک نئی ترکیب سوچی۔ اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عہد ملکیت میں وضع شدہ ”اسلام“ کی شراب کھیں کو نئی بوتلوں میں اس طرح بند کیا جائے کہ اصلی اور نقلی میں فرق نہ کیا جاسکے۔ اس نئی ترکیب کا نام انہوں نے (FUNDAMENTALISM) رکھا جس کے

## فندا منٹل ازم

لغوی معنی ”بنیادی اسلام“ کے ہیں۔ اس ترکیب کو انہوں نے اس قدر عام کیا ہے کہ مسلم ممالک میں ہی نہیں یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، اور وہاں کے نامور مذہبی پیشوا اور جماعت پسند پیشوا ورا ال کے ساتھ منسلک ہیں۔ اس کے لئے انہوں نے دوسرے کے سیلاب کے بعد اس طرح کھول دیئے

ہیں کہ سب اس میں ہے چلے جا رہے ہیں۔ جس اسلام کو یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہی ہے جو ہمارے دُور ملکیت میں وضع ہوا تھا لیکن اس کے لئے اسلوب بیان ماڈرن اختیار کیا جاتا ہے۔ اس سے ہمارا وہ طبقہ جو مولویوں سے متاثر تھا ان کی باتیں کان لگا کر سنتا ہے، حالانکہ ان کی باتیں بھی وہی ہوتی ہیں جنہیں مولوی صاحبان پیش کرتے تھے۔ اس طرح یہ تحریک روپے کے زور اور سپا پیگنڈو کے شور سے کامیاب ہو رہی ہے۔ خواص کی نگاہوں میں ماڈرن ازم کی چمک سے اس قدر خیر کی پیدا کی جا رہی ہے کہ ان میں حقیقت اور فریب میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اور عوام کے لئے مذہب کی رسمی تقریبات کو اس قدر پوشش، بارونق اور مقدس بنا دیا جا رہا ہے کہ وہ ساریت کے اس دام ہمرنگ زمین سے نکل ہی نہیں سکتے۔

یہی تھا وہ نظام جس کی ملکیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، "ابلیس کی مجلس شورٰی" میں "شعبہ اسلام" کے مشیر نے کہا تھا کہ

اس میں کیا شک ہے کہ محکمہ نے یہ ابلیسی نظام  
ہے ازل سے ان فریبوں کے مقدّر میں سبھور  
آرزو اولیٰ تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں  
پر ہماری سعی پیہم کی کرامت ہے کہ آج  
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا !  
پختہ تر اس سے ہوئے غمے غلامی میں عسلا م  
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نماز بے قیام  
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام  
صوفی و مُلّا ملکیت کے بندے ہیں تمام  
کُند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

(درمیان حجاز، ص ۲۱۲)

اور اس میں تحریک پاکستان کے مخالفین اور اقوام مغرب واقعی کامیاب ہیں۔  
یاد رکھئے! جس مملکت کے قیام کا تصور اقبالؒ نے دیا تھا اور جس کے لئے قائد اعظمؒ کی سعی پیہم کے تصدیق ایک خطہ زمین حاصل ہوا تھا، اسے اپنی مقصدیت کے اعتبار سے اسلامی مملکت بننا تھا۔ وہ مقصدیت یہ تھی کہ

**مقصد**

اس میں :-

- (۱) حق حکومت کسی انسان یا انسانوں کے گروہ کو حاصل نہیں ہوگا۔ حکمرانی صرف کتاب اللہ کی ہوگی۔
- (۲) اس میں غلط اور صحیح، جائز و ناجائز، اسلامی اور غیر اسلامی کی سند اور اتھارٹی قرآن مجید ہوگا۔
- (۳) اس میں کسی کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا، نہ ترس۔ خوف ہوگا تو صرف قوانین خداوندی کی خلاف ورزی کے صریح نتائج کا جن کا اخلاق ہر ایک پر یکساں ہوگا۔
- (۴) اس میں کوئی فرد ذات کو بھوکا سو سکے گا۔ دیکسی کی کوئی مزدور نہ رہے گی۔
- (۵) اس میں امیر اور غریب، محتاج و غنی، حاکم و محکوم کی تمیز نہیں ہوگی۔ تمام انسان یکساں و احباب، حکمیر ہوں گے اور تذلیل و توبیخ، دوست و مستلکین کرین ہر دم ہوگا۔
- (۶) اس میں نظام سرمایہ داری قائم رہے گا، نہ مذہبی پیشوائیت کا وجود۔ امت کے باہمی مشورہ سے نظام حکومت قائم ہوگا اور وہ نظام قرآن مجید میں متعین کردہ غیر متبدل حدود کے اندر رہتے ہوئے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قواعد و ضوابط خود مرتب کرے گا۔ انہی کو احکام شریعت کہا جائے گا۔



(۷) اس میں ساری آیت، اُمت واحدہ ہوئی جس میں کسی قسم کا تفرقہ نہیں ہوگا۔

یہ تھا وہ نظام جسے قائم کرنے کے لئے پاکستان کا خطہ زمین حاصل کیا گیا تھا۔ اس کے مخالفین کی انتہائی کوشش تھی کہ اول تو یہ خطہ زمین ہی حاصل نہ ہو، اور اگر حاصل ہو بھی جائے تو اس میں یہ نظام قائم نہ ہو سکے (جیسے الدین کہا جاتا ہے)۔ اس کے بجائے اس مذہب کا دور دورہ ہو جس سے انسان زوی کار پڑتا ہے، دنیا کا۔ اقبالؒ اسے انفا میں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

وہ مذہب مردانِ خود گاہ و غدا مست      یہ مذہب مُلّا و جہادات و نباتات  
قائد اعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دوران کہا تھا :-

ہماری حفاظت، ہماری سمات اور عزت و آبرو (کے تحفظ کا واحد ذریعہ) پاکستان ہے۔ اگر ہم اس مدد و مہد میں ناکام رہ گئے تو ہم تو تباہ ہو ہی جائیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی اس پر صبر میں مسلمانوں کا وجود باقی رہے گا۔ (ز اسلام کا نام و نشان - (تقاریب - جلد دوم - ص ۵۵۲)

اگر قائد اعظمؒ زندہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ پاکستان مل جانے کے بعد بھی اس اسلام پر کیا بیت رہی ہے جس کے احیاء کے لئے انہوں نے پاکستان لے کر دیا تھا۔

پہرے والی، ہماری انتہائی بد قسمتی ہے کہ ہم اس میں ناکام رہ گئے اور پاکستان کے مخالفین کامیاب ہو گئے۔ یہ بد قسمتی ہماری ہی نہیں، پوری کی پوری انسانیت کی بد قسمتی ہے کیونکہ پاکستان نے اس نظام کی تجربہ گاہ بننا تھا جس سے نفع انسان نے اپنی مندرجہ مقصود تک پہنچنا تھا۔ اس اعتبار سے ہم اپنی قبضی کے بھی ذمہ دار اور مجرم ہیں اور عالمگیر انسانیت کی بد نصیبی کے بھی ذمہ دار اور مجرم۔ ہزار سال کے بعد یہ نادر و نادر گزشتہ ہیں میسر آیا تھا، ہم نے اسے نبیؐ طرح ٹھوکیا۔ اے دانے والے ملے ۱۱۱

جہیں را پیش غیر آمد سودیم      چو گہراں در حضور او سرودیم

تو ازم سے ای لالم از طیش      کہ ما شاہین سناں تو نبودیم (از غالب مجاز - ص ۵۷)

مجھ سے اکثر تقاضا کیا جاتا ہے کہ میں اقبالؒ کے فارسی اشعار کا ترجمہ بھی پیش کر دیا کروں۔ میں الہ اشعار کا ترجمہ کیا کروں؟ تو اپنی لاش کے سرانے کھڑے ہو کر اپنا ماتم کرنا ہے۔ ہر چیز کا ماحول کی افسردگی طبیعت کو اس طرف تڑپنے نہیں دیتی لیکن غائب نے اس مفہوم کو اپنے خوب و شگ انما زمین صبر ادا کی ہے اس سے بات سمجھ میں آجائے گی اُس نے کہا ہے :-

چاہتے ہیں خوب رویوں کو آمد      آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے !

بافل ! ان نہ ملتوں کے واسطے      ہارنے والا بھی اچھا چاہئے

جس وقتوں اور غمشوں کا آئینہ وار وہ، اسلام تھا جس کے لئے ہمیں یہ خطہ زمین عطا ہوا تھا اس اسلام کو نافذ کرنے والے انسان بھی اتنے ہی بلند اور عظیم ہونے چاہئیں تھے۔ ہمارے لیے بہت قاصد الہ بلند یوں تک پہنچنے کے قابل نہیں تھے، اس لئے ہم اس نعمت کبریٰ کے اہل نہیں قرار پائے۔ جو عیش فرماؤ گئے کی بہت نہ رکھتا ہو، اسے جو کچھ خیر کیجے لی سکتی ہے؟ ہمیں اپنے اندر یہ حسرت پیدا کرنی چاہئے تھی۔ قرآن کریم نے آئی تمم اَللّٰہُ عَلَیْکُمْ (تم سب پر غالب آ جاؤ گے) کے لئے دے گئے تھے مُمِیْنِیْن - (اگر تم مومن ہو گے) کی شرط عائد کی تھی۔ ہم نے اس شرط کو پورا نہ کیا تو اس مقام تک پہنچ نہ سکے۔



حق اگر از پیش ما بردار و شش پیش تو سے دیکھے بگذار و شش  
ترسم از روزی که مرده شش کنند  
آتش خود بدلی دیگر زنند (حدید تار ص ۹)

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک ضابطہ حیات قرار دیا ہے، اس لئے اس کا نظام نہ کسی خاص خطہ زمین سے وابستہ ہے۔ نہ کسی خاص قوم تک محدود اور نہ کسی خاص زمانے سے مختص۔ جو قوم، جس ملک اور جس زمانے میں بھی اس کے حقائق پر علم و بصیرت اور عقل و فکر کی رو سے غور کر کے انہیں اختیار کر لے گی وہ اس سے فیض یاب ہو جائے گی۔ مذہب پرست قویں اور اپنی خوش فہمیوں میں مست اور توکم پرستیوں میں مطمئن رہتی ہیں ان کے لئے یہ سعادت نہیں آسکے گی۔ وائنش وراں مغربہ اپنے موجودہ نظام حیات سے تنگ آکر ایک نئی دنیا اور اس میں ایک جدید نظام کی تلاش میں ہیں۔

ایک ایسی دنیا جس میں نہ کرہ ارض پر کھینچی ہوئی ممالک کی لکیریں ہوں اور نہ ہی قوموں کے خود مختار کردہ حدود۔ نہ وہ دنیا ہوگی جس میں انسان جہاں جی چاہے آکر اودھ چلے پھرے۔ رہے سبے اور ہر جگہ یکساں شرائط پر اپنے لئے مسرت حاصل کر سکے۔ سیاسی طور پر اس سے مراد ساری دنیا کی واحد حکومت ہوگی جو جمہوری طور پر تمام انسانوں کے باہمی مشورہ سے اپنا کاروبار سرانجام دے گی۔ ہم اپنی روح کے مذہبی نشیمن ہیں کسی اسی قسم کی حسین دنیا کا تصور محسوس کرتے ہیں جس میں کامل ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔

(BEYOND THE WELFARE STATE, BY GUNNER MYRDAL)

یہ دنیا ایک ایسے مذہب کی زمین بنتی ہوگی۔

جو انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالمگیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کی تعلیم کا مہیمن ہوگا۔ وہ عقل و فکر پر مبنی ایسا قابل عمل ضابطہ اخلاق دے گا جو علوم و سائنس سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(THE SANE SOCIETY, BY ERICH FROMM)

ہم نے اس مقام پر وائنش وراں مغرب میں سے صرف دو ایک کے خیالات پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب لینی نیسٹلزم کے ہاتھوں نالاں ہیں کہ دنیا میں جنگوں کے لائق ہی سلسلہ کا بنیاری سید ہی ہے۔ وہ اپنے ہاں کی جمہوریت سے تنگ آچکے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بھی طو کیت ہی کا پتہ ہے۔ مغربی سرمایہ پرست قویں اپنے معاشرتی نظام کو عالمگیر بنانے کا موجب قرار دیتی ہیں۔ اس کے برعکس ویس اور چین کی سوشلزم بڑی طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس جہد کے بعد جب وہ الا (مثبت نظام) کے متعلق سوچیں گے تو وہ قرآن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اس طرح

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

یہ جہاں محسوس ہوگا نغمہ توحید سے

والسلام

حق اگر از پیش ما بردار و شش پیش تو سے دیکھے بگذار و شش  
ترسم از روزی که مرده شش کنند  
آتش خود بدلی دیگر زنند (حدید تار ص ۹)

قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کے لئے قیامت تک ضابطہ حیات قرار دیا ہے، اس لئے اس کا نظام نہ کسی خاص خطہ زمین سے وابستہ ہے۔ نہ کسی خاص قوم تک محدود اور نہ کسی خاص زمانے سے مختص۔ جو قوم، جس ملک اور جس زمانے میں بھی اس کے حقائق پر علم و بصیرت اور عقل و فکر کی رو سے غور کر کے انہیں اختیار کر لے گی وہ اس سے فیض یاب ہو جائے گی۔ مذہب پرست قویں اور اپنی خوش فہمیوں میں مست اور توکم پرستیوں میں مطمئن رہتی ہیں ان کے لئے یہ سعادت نہیں آسکے گی۔ وائش وراہ مغربہ اپنے موجودہ نظام حیات سے تنگ آکر ایک نئی دنیا اور اس میں ایک جدید نظام کی تلاش میں ہیں۔

ایک ایسی دنیا جس میں نہ کرہ ارض پر کھینچی ہوئی ممالک کی لکیریں ہوں اور نہ ہی قوموں کے خود مختار کردہ حدود۔ نہ وہ دنیا ہوگی جس میں انسان جہاں جی چاہے آکر اودھ چلے پھرے۔ رہے سبے اور ہر جگہ یکساں شرائط پر اپنے لئے مسرت حاصل کر سکے۔ سیاسی طور پر اس سے مراد ساری دنیا کی واحد حکومت ہوگی جو جمہوری طور پر تمام انسانوں کے باہمی مشورہ سے اپنا کاروبار سرانجام دے گی۔ ہم اپنی روح کے مذہبی نشیمن ہیں کسی اسی قسم کی حسین دنیا کا تصور محسوس کرتے ہیں جس میں کامل ہم آہنگی اور یک جہتی ہو۔

(BEYOND THE WELFARE STATE, BY GUNNER MYRDAL)

یہ دنیا ایک ایسے مذہب کی زمین بنتی ہوگی۔

جو انسان کی ارتقائی منازل کا ساتھ دے گا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عالمگیر ہوگا اور منتشر انسانیت کو ایک وحدت میں منسلک کر دے گا۔ جو مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کی تعلیم کا مہیمن ہوگا۔ وہ عقل و فکر پر مبنی ایسا قابل عمل ضابطہ اخلاق دے گا جو علوم و سائنس سے ہم آہنگ ہو۔ وہ انسان کو اس قابل بنا دے گا کہ وہ خارجی کائنات اور خود اپنی ذات کے ساتھ ہم آہنگ رہ سکے۔ اسی کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ نوع انسان کا مذہب بن سکے۔

(THE SANE SOCIETY, BY ERICH FROMM)

ہم نے اس مقام پر وائش وراہ مغرب میں سے صرف دو ایک کے خیالات پیش کئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سب لینی نیٹ سسٹم کے ہاتھوں نالاں ہیں کہ دنیا میں جنگوں کے لائق ہی سلسلہ کا بنیاری سہید ہی ہے۔ وہ اپنے ہاں کی جمہوریت سے تنگ آچکے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بھی طو کیت ہی کا پتہ ہے۔ مغربی سرمایہ پرست قویں اپنے معاشرتی نظام کو عالمگیر بنانے کا موجب قرار دیتی ہیں۔ اس کے برعکس ویس اور چین کی سوشلزم بڑی طرح ناکام ثابت ہو رہی ہے اس جہد کے بعد جب وہ الا (مثبت نظام) کے متعلق سوچیں گے تو وہ قرآن کے سوا کہیں نہیں ملے گا۔ اس طرح

شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ نور شہید سے

یہ جہاں محسوس ہوگا نغمہ توحید سے

والسلام